International Journal of Islamic Studies & Culture
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192
(Volume.3, Issue.4 (2023)
(October-December)

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

A Study Review of the Concept of Ijtihad by Imam Ibn Hazm (may Allah have mercy on him)

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے تصور اجتہاد کا مطالعاتی جائزہ

Dr. Muhammad Sajjad Malik
Fawad Yaseen
Farida Noreen
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Division of Islamic and Oriental learning, Muhammad.sajad@ue.edu.pkUniversity of Education, Lahore, Pakistan,
MPhil Scholar, Department of Islamic Studies, university of Education, LMC Lahore, abbasifawad786@gmail.com
Lecturer Arabic, Hamayat e Islam Degree College for Women, 119 Multan Road Lahore faridanoreen53@gmail.com

Abstract

This study provides a comprehensive review of the concept of Ijtihad as articulated by Imam Ibn Hazm, a prominent Islamic scholar of the 11th century. Delving into the works of Ibn Hazm, particularly his notable contribution, "Al-Muhalla," the research aims to elucidate the nuances of his understanding of Ijtihad. The analysis explores the conceptual framework, methodologies, and principles employed by Ibn Hazm in the exercise of Ijtihad, shedding light on his distinctive contributions to Islamic legal thought. By considering the historical context and the intellectual milieu in which Ibn Hazm operated, the study offers a nuanced perspective on the evolution of Ijtihad within the broader landscape of Islamic jurisprudence. This review contributes to a deeper understanding of Imam Ibn Hazm's legacy and his enduring impact on the development of legal reasoning in Islamic jurisprudence.
Keywords: Ijtihad, Imam Ibn Hazm, Al-Muhalla, Islamic legal thought, Conceptual framework, Methodologies of Ijtihad, Principles of Ijtihad, Legal reasoning, Historical context, Intellectual milieu, Islamic jurisprudence, Legal review.

تعارف

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے زندگی گزارنے کا جو طریقہ متعین کیا ہے، اسے دین اسلام کا نام دیا ہے۔ دین اسلام کی خصوصیات میں سے ایک نمایاں خصوصیت اس کی جامعیت اور ہمہ گیریت ہے، یعنی اس میں انسانی زندگی کے ہر مسئلے کا حل موجود ہے۔ مسائل کا یہ حل کبھی تو صریح الفاظ کی صورت میں ہوتا ہے اور کبھی وحی (قرآن و سنت) کے الفاظ میں گہرے غور و فکر اور تلاش و جستجو کے بعد میسر آتا ہے؛ وحی سے مسائل زندگی کا حل تلاش کرنے کا عمل 'اجتہاد' کہلاتا ہے؛ اجتہاد ہی در حقیقت اسلامی شریعت کی جامعیت اور ابدیت کا ضامن ہے۔

اس آرٹیکل میں امام ابن حزم رحمہ اللہ کے تصور اجتہاد کا مطالعاتی جائزہ پیش کیا جائے گا تاکہ ان کی امتیازی خوبیاں نکھر کر سامنے آئیں اور عصر حاضر کے اجتہادی عمل میں اگر ممکن ہو تو ان کے تصور اجتہاد سے بھی استفادہ کی راہ ہموار ہو سکے۔

امام ابن حزم رحمہ اللہ کے تصور اجتہاد کا مطالعہ اس لیے بھی اہمیت کا حامل ہے کہ وہ نصوصِ کتاب و سنت کے ظاہری الفاظ پر زور دیتے ہیں اور ان کی علل اور حکمتوں کی تلاش و جستجو کے سخت مخالف ہیں۔ اور یہ امر انتہائی دل چسپی کا باعث ہے کہ نصوص کی علت و حکمت کی تعیین کے بغیر جدید مسائل کا حل کیوں کر ممکن ہو سکتا ہے؟ جب کہ جمہور کے تصور اجتہاد میں تعلیل اور تعین حکمت کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ ابن حزم نے اس باب میں اس قدر شدت کا مظاہرہ کیا ہے کہ انھیں عمومی طور پر حرفیت پسند بھی کہا

International Journal of Islamic Studies & Culture
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192
(Volume.3, Issue.4 (2023)
(October-December)

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

گیا ہے،(جو عقل و فکر کے کواڑ بند کرکے محض نصوص کے ظاہر سے تمسک کا پرچار کرتا ہے،)بعض علمانے تو یہاں تک کہ دیا ہے کہ ابن حزم سرے سے اجتہاد ہی کے منکر ہیں لیکن یہ تاثر مبنی بر حقیقت نہیں ہے۔امر واقعہ یہ ہے کہ ابن حزم اجتہاد کے قائل ہیں تاہم وہ قیاس ورائے پر مبنی اجتہاد کو تسلیم نہیں کرتے بل کہ اسے دلیل کے اصول سے ثابت کرتے ہیں،وہ لکھتے ہیں:

والاجتهاد ليس قياساً ولا رأياً، وإنما الاجتهاد: إجهاد النفس، واستفراغ الوسع في طلب حكم طلب النازلة في القرآن والسنة، فمن طلب القرآن وقرأ آياته، وطلب في السنن وقرأ الأحاديث في طلب ما نزل به، فقد اجتهد، فإن وجدها منصوصة فقد أصاب فله أجران: أجر الطلب وأجر الإصابة، وإن طلبها في القرآن والسنة فلم يفهم موضعاً منهما، ولا وقف عليه، وفاتت إدراكه، فقد اجتهد فأخطأ فله أجر.[1]

”اجتہاد محض قیاس اور ذاتی رائے کا نام نہیں ہے،اجتہاد تو اس جدوجہد اور محنت کا نام ہے جو ایک مجتہد ذہن و فکر کی وسعتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے کتاب و سنت کے کسی مسئلے کا حکم معلوم کرنے کے لیے سرانجام دیتا ہے۔یہ دو طرح سے ہوتا ہے؛ایک یہ کہ مجتہد آیات قرآنی پر غور و فکر کرتا اور سنت و حدیث کے ذخیرے کا مطالعہ کرتا ہے تاکہ مسئلہ کی گہرائی تک رسائی حاصل کرلے،یہ اس کا اجتہاد ہے،چنانچہ اگر وہ قرآن و سنت کے الفاظ ہی میں حل تلاش کرسکے تو یہ وہ ہے جس کی رائے صائب ہے اور اس کے لیے دوہرا اجر ہے۔ایک اجر مسئلہ کا حل معلوم کرنے کے لیے اس کی جستجو پر اور دوسرا صائب رائے اختیار کرنے پر۔دوسری صورت یہ ہے کہ وہ تلاش اور جستجو جاری رکھتا ہے مگر قرآن و سنت کے اس مقام کا ادراک اسے حاصل نہیں ہوتا جہاں مسئلہ کا حل موجود ہے،تو یہ بھی اس کا اجتہاد ہے لیکن اس سے خطا ہوئی ہے لہٰذا اس کے لیے ایک اجر ہے۔“

اس سے واضح ہوتا ہے کہ امام ابن حزم رحمہ اللہ اجتہاد قائل ہیں،اگرچہ ان کا تصور اجتہاد جمہور سے ممتاز اور منفرد ہے۔ارباب ظاہر کے منہج اجتہاد کا ایک مثبت پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں ظاہری نصوص کی پابندی اور ان سے قریب رہنے کی کوشش کی جاتی ہے جس سے ان خرابیوں سے بچا جاسکتا ہے جو قیاس کے آزادنہ اور غیر محتاط استعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔

زیر نظر موضوع پر اسائنمنٹ تحریر کرنے سے درج ذیل مقاصد کا حصول مقصود ہے:

۱. امام ابن حزم رحمہ اللہ کے منہج اجتہاد کو اجاگر کرنا۔
۲. عصر حاضر کے اجتہادی مسائل کے حل پر مبنی آفاقی فقہ کے اصولوں کو منظر عام پر لانا۔
۳. مختلف فقہی مدارس فکر کے مابین ہم آہنگی کی راہ ہموار کرنا۔

علامہ ابن حزم کا تعارف[2]

نام و نسب:

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم۔آپ اجداد میں سے خلف بن معدان فارس(ایران) سے اندلس آئے تھے۔اس طرح سے آپ فارسی النسل ہیں۔

ولادت وفات:

رمضان المبارک کی آخری شب بروز بدھ ۳۸۴ھ/ ۷ نومبر ۹۹۴ء کو قرطبہ کے مشرقی محلہ "المغیرہ" میں پیدا ہوئے اور ۷۲ سال ک عمر میں ۴۵۶ھ/ ۱۰۶۴ء مس وفات پائی۔

تعلیم و تربیت:

[1]۔أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، الإحكام في أصول الأحكام، دار الآفاق الجديدة، بيروت ۱۴۱۹/ ۷۔
[2]شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قايماز الذهبي، تذكرة الحفاظ، دار الكتب العلمية بيروت-لبنان، 1419ه، ۲۲۶/ ۲۔

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

آپ کے والد اور دادا اموی خلیفہ ہشام ثانی کے زمانہ خلافت میں اہم عہدوں پر فائز رہے۔اس لیے ابتدائی زندگی خوش حالی میں گذری۔آپ کے والد آپ کی تعلیم و تربیت کے حوالے سے بڑے حساس تھے ،اس لیے اس زمانے کے مشہور اہل علم سے تعلیم دلوائی۔قرطبہ میں جب سیاسی خلفشار عروج پر تھا تو ان کو قرطبہ سے جلا وطن ہونا پڑا۔وہ وزارت کے عہدے پر بھی فائز ہوئے جلا وطن بھی ہوئے اور قید کی سزائیں بھی بھگتنا پڑیں۔

کتب:

ابن حزم نے مختلف موضوعات پر مختلف کتب تحریر فرمائی ہیں جن میں سے چند اہم ترین کتب درج ذیل ہیں۔

المحلی،جوامع السیرۃ،الاحکام فی اصول الاحکام،الاخلاق والسیر فی مداوۃ النفوس،مسائل اصول الفقہ،مراتب الاجماع،النبذۃ فی اصول الفقہ الظاہری،ابطال القیاس والرائی والاستحسان والتقلید والتعلیل،رسائل ابن حزم،مراتب الاجماع اور الناسخ والمنسوخ اہم ہیں۔

ابن حزم کا تصور اجتہاد

ابن حزم نے اجتہاد کے متعلق مختلف نکات پر بحث کی ہے جس سے ان کا تصور اجتہاد اجاگر ہوتا ہے۔اس ضمن میں اجتہاد کی تعریف،اجتہاد کے درجات، مجتہدین کے اقسام اور عامی پر اجتہاد کی فرضیت بنیادی مباحث ہیں؛ذیل میں ان کے حوالے سے ابن حزم کے نقطہ نظر کی وضاحت کی جائے گی۔

اجتہاد کی لغوی تعریف

ابن حزم نے اپنی کتاب " اِلاحکام فی اصول الاَحکام" کی آخری فصل میں اجتہاد پر تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔اجتہاد کے لغوی معنی بیان کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

"إن حقیقۃ بناء لفظۃ الاجتہاد أنہ افتعال من الجھد وحقیقۃ معناھا أنہ استنفاد الجھد في طلب الشيء المرغوب إدراکہ حیث یرجی وجودہ فیہ أو حیث یوقن بوجودہ فیہ ھذا ما لا خلاف بین أھل اللغۃ فیہ والجھد بضم الجیم الطاقۃ والقوۃ تقول ھذا جھدي أي طاقتي وقوتي والجھد بفتح الجیم سوء الحال وضیقتھا تقول القوم في جھد أي في سوء حال." [3]

"لفظ اجتہاد کی حقیقت یہ ہے کہ یہ جہد سے باب افتعال ہے۔اس کے معنی کی حقیقت اس قدر ہے کہ کسی ایسی شے کے لیے پوری طاقت صرف کر دی جائے جس کا ادراک مطلوب ہو کہ اس کا وجود اسی چیز میں متوقع ہو یا اس میں اس کا وجود یقینی ہو۔اس امر میں اربابِ لغت کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جُہد (جیم کے پیش کے ساتھ) کا مطلب ہے: طاقت و قوت؛ چناں چہ آپ کہتے ہیں: ھَذا جُھدِی یعنی یہ میری طاقت و قوت کے مطابق ہے۔لیکن جب یہ لفظ جیم کے زبر کے ساتھ آئے تو بری اور تنگ حالت کا معنی دیتا ہے؛القوم فِی جَھد کے معنی ہیں: فلاں گروہ بری اور تنگ صورت حال میں ہے۔"

اجتہاد کی اصطلاحی تعریف

ابن حزم نے اجتہاد کی اصطلاحی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

"فالاجتہاد في الشریعۃ ھو استنفاد الطاقۃ في طلب حکم النازلۃ حیث یوجد ذلک الحکم." [4]

"شریعت میں اجتہاد کا مفہوم یہ ہے کہ کسی پیش آمدہ مسئلے کا حکم معلوم کرنے کے لیے تمام تر طاقت وہاں لگا دی جائے جہاں سے اس کا حکم معلوم ہو سکے۔"

یہ حکم کہاں سے معلوم ہو گا؟دوسرے مقام پر اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ابن حزم نے لکھا ہے:

"والاجتہاد لیس قیاسا ولا رأیا وإنما الاجتہاد إجھاد النفس واستفراغ الوسع في طلب حکم النازلۃ في القرآن والسنۃ فمن طلب القرآن وقرأ آیاتہ وطلب في السنن وقرأ الأحادیث في طلب ما نزل بہ فقد اجتھد فإن وجدھا منصوصۃ فقد أصاب فلہ أجران أجر الطلب وأجر الإصابۃ وإن طلبھا في القرآن والسنۃ فلم یفھم موضعا منھما ولا وقف علیہ وفاتت إدراکہ فقد اجتھد فأخطأ فلہ أجر." [5]

---

[3] اِلاحکام فی اصول الاَحکام،ج8،133

[4] اِلاحکام فی اصول الاَحکام،ج8،133

[5] اِلاحکام فی اصول الاَحکام،ج7،114

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

"اجتہاد قیاس ہے، نہ رائے؛ اجتہاد تو قرآن وسنت سے کسی نئے پیش آنے والے مسئلے کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی پوری طاقت اور کاوش کو صرف کر دینے کا نام ہے۔ جس نے پیش آمدہ مسئلے کے حل کی خاطر قرآن مجید کی آیات کے مطالعے سے اس کا حکم تلاش کرنے کی کوشش کی اور سنت سے حکم طلب کرنے کے لیے احادیث کا مطالعہ کیا تو اس نے اجتہاد کیا۔ اگر اس نے نصوص میں اس کا حل پا لیا تو وہ درست بات تک پہنچ گیا اور اس کے لیے دوہرا اجر ہے؛ ایک اجر طلب و جستجو کا اور دوسرا درستی کو پا لینے کا۔ لیکن اگر اس نے قرآن وسنت میں اس مسئلے کا حکم تلاش کیا اور اس مقام تک رسائی پا سکا، نہ اس سے باخبر ہو سکا اور اس کے ادراک سے محروم رہ گیا تو اس نے بھی اجتہاد کیا تاہم اس میں خطا کا مرتکب ہوا، پس اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

اجتہاد میں خطا اور صواب کی صورت میں اجر کے تفاوت کے حوالے سے ابن حزم کا استدلال اس حدیث مبارکہ سے ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ، وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ." [6]

"جب حاکم فیصلہ کرے اور اجتہاد سے کام لے، اگر (اس کا اجتہاد) درست ہو تو اس کے لیے دو اجر ہیں اور اگر درست نہ ہو تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔"

مندرجہ بالا اقتباس سے معلوم ہوا کہ ابن حزم کے نزدیک اجتہاد صرف کتاب وسنت ہی کی نصوص میں غور و فکر کا نام ہے اور رائے اور قیاس کے ذریعے اجتہاد ناقابل قبول ہے؛ اس کی وضاحت آگے آئے گی۔ اجتہاد کے متعلق اسی نکتے کو ایک اور مقام پر ابن حزم نے یوں بیان کیا ہے:

"وقد بينا أن الاجتهاد هو افتعال من الجهد فهو في الدين إجهاد المرء نفسه في طلب ما تعبده الله تعالى به في القرآن وفيما صح عن النبي صلى الله عليه وسلم لأنه لا دين غيرهما." [7]

"ہم نے واضح کیا ہے کہ اجتہاد باب افتعال ہے جس کا مادہ جہد ہے: دین میں اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو جس چیز کا پابند کیا ہے، وہ اپنی پوری کوشش اس چیز کی تلاش میں صرف کر دے جو قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح طور پر ثابت شدہ احادیث میں ہے کہ دین ان دونوں امور کے علاوہ کسی شے کا نام نہیں ہے۔"

اجتہاد کے لغوی اور شرعی مفہوم میں فرق

ابن حزم نے اجتہاد کی لغوی اور اصطلاحی تعریفوں کے بعد ان میں ایک بنیادی فرق کی نشان دہی کی ہے؛ چناں چہ لکھتے ہیں:

"وإنما قلنا في تفسير الاجتهاد العام حيث يرجى وجوده فعلقنا الطلب بمواضع الرجاء وقلنا في تفسير الاجتهاد في الشريعة حيث يوجد ذلك الحكم فلم نعلقه بالرجاء لأن أحكام الشريعة كلها متيقن أن الله تعالى قد بينها بلا خلاف." [8]

"ہم نے اجتہاد کے عمومی و لغوی معنی میں یہ بات کہی ہے کہ جہاں اس چیز کے ملنے کا گمان ہو اس جگہ اس کو تلاش کیا جائے پس ہم نے تلاش کو اُمید کی جگہوں سے بھی معلق کر دیا ہے لیکن اجتہاد کی شرعی تعریف میں ہم نے صرف اس جگہ کسی حکم کی تلاش کو اجتہاد کہا ہے جہاں وہ شرعی حکم پایا جاتا ہو اور اسے گمان کی جگہوں سے متعلق نہیں کیا ہے کیونکہ شریعت کے تمام احکامات یقینی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اِن کو خوب اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔"

اس سے ابن حزم کا مقصود یہ ہے کہ کتاب وسنت میں تمام مسائل کا یقینی طور پر موجود ہے، اس لیے اس کے متعلق یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ اجتہاد، حکم شرعی کی متوقع جگہوں میں جہد وکاوش کرنے کا نام ہے بل کہ یہ یقینی مصدر سے تلاش حکم کی محنت سے عبارت ہے۔

احکام شریعت اور علما

ابن حزم کی نظر میں احکام شریعت بالکل واضح ہیں اور عمومی طور سے علما کو معلوم ہیں؛ وہ لکھتے ہیں:

---

[6] محمد بن اسماعیل البخاری، صحیح البخاري، دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ کتاب الاعتصام بالكتاب والسنة، باب أجر الحاكم... رقم الحديث: 7352۔

[7] الإحكام في أصول الأحكام، 7/ 114

[8] الإحكام في أصول الأحكام، 8/ 133

International Journal of Islamic Studies & Culture
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192
(Volume.3, Issue.4 (2023)
(October-December)

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

"فأحكام الشريعة كلها مضمونة الوجود لعامة العلماء وإن تعذّر وجود بعضها على بعض الناس فمحال ممتنع أن يتعذّر وجوده على كلهم لأن اللهؓ لا يكلفنا ما ليس في وسعنا وما تعذر وجوده على الكل فلم يكلّفنا اللهؓ إياه قط. قال اللهؓ تعالى {لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا} وقال تعالى: { وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ } وبالضرورة ندري أن تكليف إصابة مالا سبيل إلى وجوده حرج." [9]

"شریعت کے تمام احکامات عام علما کے لیے موجود ہیں، اگرچہ شریعت کے بعض احکامات کے وجود کا علم بعض لوگوں کے لیے مشکل ہوتا ہے لیکن یہ بات محال اور ناممکن ہے کہ شرعی احکام کے وجود کا علم تمام لوگوں کے لیے مشکل اور ناممکن الحصول ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صرف اسی چیز کا مکلّف بناتے ہیں کہ جس کی ہم طاقت رکھتے ہیں اور جس شرعی حکم کے وجود کا علم تمام لوگوں کے لیے ناممکن الحصول ہو تو اللہ تعالیٰ نے اس کا ہمیں کبھی بھی مکلّف نہیں بنایا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اللہ تعالیٰ اسی چیز کا انسان کو مکلف بناتے ہیں کہ جس کی وہ طاقت رکھتا ہے۔ اسی طرح ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اس نے تمھارے لیے دین کے معاملے میں کوئی تنگی نہیں رکھی ہے۔ اور یہ بات ہم بدیہی طور پر جانتے ہیں کہ جس حکم کو معلوم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو تو اس کا مکلف بنانا تنگی ہے۔"

پیش آمدہ مسائل کے حل کے مقامات

اجتہاد کی تعریف میں ابن حزم نے نت نئے مسائل کے حل کے لیے حکم شرعی کو اس کے مقامات میں تلاش کرنے پر زور دیا ہے؛ یہ کون سے مقامات ہیں؟ اس کا جواب ابن حزم نے یوں دیا ہے:

"اتفق العلماء على أن القرآن وما حكم به رسول اللهؓ صلى اللهؓ عليه وسلم أو قاله أو فعله أو أقره وقد" [10]
علمه مواضع لوجود أحكام النوازل.

"علما اس امر پر متفق ہیں کہ قرآن مجید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فیصلہ فرمایا، یا کوئی بات ارشاد فرمائی، یا کوئی فعل سرانجام دیا، یا کسی چیز کو جانتے بوجھتے برقرار رکھا ؛ تو یہی وہ مقامات ہیں جہاں پیش آمدہ مسائل کا حل موجود ہوتا ہے۔"

مجتہد کے اوصاف

اجتہاد کے مباحث میں یہ بحث بھی اہمیت کی حامل ہے کہ مجتہد کو کن شرائط و اوصاف کا حامل ہونا چاہیے؟ ابن حزم نے اپنی کتاب " الإحکام فی اصول الأحکام " میں اس پر روشنی ڈالی ہے اور مجتہد کے لیے ضروری علوم کا تذکرہ کیا ہے اور بتلایا ہے کہ اسے کن علوم سے آراستہ ہونا چاہیے۔ ابن حزم کے نزدیک ایک کامل فقیہ یا مجتہد بعض صفات کا ہونا لازم ہے اور کچھ امور ایسے ہیں جن سے واقفیت اگرچہ فرض نہیں ہے اور وہ اضافی حیثیت رکھتے ہیں تاہم افادیت سے خالی نہیں ہیں۔ ذیل میں ان کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

قرآن اور حدیث و سنت کا علم

ابن حزم کا کہنا ہے کہ جو لوگ فقہ، افتا اور لوگوں کے مابین فیصلوں کے لیے مختص ہوں ان پر فرض ہے کہ وہ حسب طاقت تمام دینی علوم حاصل کریں یعنی احکام قرآن اور حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا علم؛ پھر حدیث کے نقل ہونے کے مختلف مدارج و مراتب سے واقفیت پیدا کریں؛ راویوں کے صفات پہچانیں اور مسند حدیث کو مرسل اور ضعیف روایات سے جدا کرنے کی معرفت حاصل کریں۔ ابن حزم کے نزدیک یہ منصوص امر ہے کیوں کہ اللہ کا فرمان ہے: { لِيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ }[11] یعنی دین میں

[9] الإحکام فی اصول الأحکام، 8/ 134
[10] الإحکام فی اصول الأحکام، 8/ 134
[11] التوبۃ 09: 122

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

گہری سمجھ بوجھ پیدا کریں تو احکام قرآن اور احکامِ رسول ہی دین کی اصل ہیں۔ پھر قرآن مجید میں یہ بھی ارشاد ہے: { إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا } [12] ”اگر کوئی فاسق تمھارے پاس خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔“ اس سے ہم پر یہ واجب ٹھہرا کہ عادل اور فاسق اور فقیہ اور غیر فقیہ راویوں میں امتیاز کریں۔ [13]

ناسخ و منسوخ کی معرفت

قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے ابن حزم نے ناسخ و منسوخ کی معرفت کو بھی لازم قرار دیا ہے؛ وہ لکھتے ہیں:

"وقال تعالى: {ما ننسخ من آية أو ننسها نأت بخير منها أو مثلها ألم تعلم أن اللہ على كل شيء قدير} ففرض علينا معرفة الناسخ من المنسوخ." [14]

”اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: پس ہم پر فرض ہے کہ ہم ناسخ اور منسوخ میں فرق کی معرفت حاصل کریں۔“

عربی لغت اور نحو کا علم

اجتہاد کی بنیاد کتاب و سنت کے نصوص ہیں جو عربی زبان میں ہیں۔ کارِ اجتہاد کے لیے زبان و بیان کی نزاکتوں سے باخبر ہونا از بس ناگزیر ہے؛ اسی بنا پر تمام ہی علما مجتہد کے لیے عربی زبان و ادب اور اس کے اصول و قواعد سے واقفیت کو ضروری قرار دیتے ہیں۔ ابن حزم کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے؛ انھوں نے لکھا ہے:

"وفرض على من قصد التفقه في الدين كما ذكرنا أن يستعين على ذلك من سائر العلوم بما تقتضيه حاجته إليه في فهم كلام ربه تعالى وكلام نبيه صلى اللہ عليه وسلم قال تعالى { وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ }، ففرض على الفقيه أن يكون عالما بلسان العرب ليفهم عن اللہ عز وجل وعن النبي صلى اللہ عليه وسلم ويكون عالما بالنحو الذي هو ترتيب العرب لكلامهم الذي به نزل القرآن وبه يفهم معاني الكلام التي يعبر عنها باختلاف الحركات وبناء الألفاظ فمن جهل اللغة وهي الألفاظ الواقعة على المسميات وجهل النحو الذي هو علم اختلاف الحركات الواقعة لاختلاف المعاني فلم يعرف اللسان الذي به خاطبنا اللہ تعالى ونبينا صلى اللہ عليه وسلم ومن لم يعرف ذلك اللسان لم يحل له الفتيا فيه لأنه يفتي بما لا يدري وقد نهاه اللہ تعالى عن ذلك." [15]

”جو دین میں تفقہ کا ارادہ رکھتا ہے، اس پر فرض ہے کہ وہ اس باب میں ان تمام علوم سے مدد لے جو پروردگار اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے فہم کے لیے ضروری ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ” ہم نے اپنا پیغام دینے کے لیے جب کبھی کوئی رسول بھیجا ہے، اس نے اپنی قوم ہی کی زبان میں پیغام دیا ہے تاکہ وہ انھیں اچھی طرح کھول کر بات سمجھائے۔“ پس فقیہ پر لازم ہے کہ وہ عربی زبان کا عالم ہو تاکہ وہ اللہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب سمجھ سکے۔ اسے نحو سے بھی واقفیت بہم پہنچانا چاہیے جو کلام عرب کی ترتیب سے عبارت ہے جس میں کہ قرآن نازل

ہوا ہے، کلام کے معانی کا فہم اسی سے ممکن ہے جو حرکات کی تبدیلی اور الفاظ کی بناوٹ سے وجود میں آتے ہیں۔ جو شخص لغت سے بے خبر ہے جو مسمیات پر وارد ہونے والے الفاظ کا نام ہے اور نحو سے ناواقف ہے جو کہ اختلاف معانی کے لیے واقع ہونے والی حرکات کے اختلاف سے تعبیر ہے تو ایسا شخص اس زبان کو نہیں جانتا جس میں اللہ تعالیٰ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خطاب فرمایا ہے اور جو شخص اس زبان ہی سے لاعلم ہے، اس کے لیے فتویٰ دینا روا نہیں ہے کیوں کہ وہ ایسی بنیاد پر فتویٰ دے گا جس کی اسے کچھ خبر نہیں ہے اور اس روش سے اللہ عزوجل نے منع فرمایا ہے۔“

اس کے لیے ابن حزم نے درج ذیل آیات کریمہ سے استشہاد کیا ہے:

{ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ } [16]

” کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔“

---

[12] الحجرات 49: 06

[13] الإحکام فی اصول الأحکام، 5، 124

[14] الإحکام فی اصول الأحکام، 5، 125

[15] الإحکام فی اصول الأحکام، 5، 126

[16] بنی اسرائیل ۱۷:۳۶۔

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

نیز ارشاد فرمایا:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يُّجَادِلُ فِى اللّٰهِ بِغَيۡرِ عِلۡمٍ ﴾ [17]

" بعض لوگ ایسے ہیں کہ کسی علم کے بغیر، خدا کے بارے میں جھگڑتے ہیں۔"

نیز فرمان الٰہی ہے:

﴿ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَاۤءِ حَاجَجۡتُمۡ فِيۡمَا لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوۡنَ فِيۡمَا لَـيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ ﴾ [18]

"تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے ہو ان میں تو خوب بحثیں کر چکے، اب ان معاملات میں کیوں بحث کرے چلے ہو جن کا تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں۔"

نیز اللہ عزوجل نے فرمایا:

﴿ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَـيۡسَ لَـكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ‌ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ ﴾ [19]

" اور تم اپنے منہ سے وہ کچھ کہے جا رہے تھے جس کی متعلق تمہیں کوئی علم نہ تھا۔ تم اسے ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے، حالانکہ اللہ کے نزدیک یہ بڑی بات تھی۔"

ان تمام آیات میں علم سے تہی ہوتے ہوئے بحث، مباحثے کی مذمت کی گئی ہے؛ پس جب ایک شخص کو شریعت کی زبان کا علم نہیں ہے تو وہ اس کے متعلق رہ نمائی کا مجاز کیوں کر ہو سکتا ہے؟

علم سیر سے آگاہی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیر اور مغازی سے آگاہی کو بھی ابن حزم نے ایک کامل فقیہ و مجتہد کے لیے لازمی گردانا ہے؛ وہ لکھتے ہیں:

"وفرض على الفقيه أن يكون عالما بسير النبي صلى اللّٰه عليه وسلم ليعلم آخر أوامره وأولها وحربه صلى اللّٰه عليه وسلم لمن حارب وسلمه لمن سالم وليعرف على ماذا حارب ولماذا وضع الحرب وحرم الدم بعد تحليله وأحكامه صلى اللّٰه عليه وسلم التي حكم بها. "[20]

"فقیہ پر فرض ہے کہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے باخبر ہو تا کہ اسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر کے ابتدائی اور آخری حالات کا علم ہو سکے اور محاربین سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جنگوں اور صلح کے خواہش مندوں سے مصالحت کا پتا چل سکے نیز یہ معلوم ہو سکے کہ جنگ کے اسباب اور جنگ بندی کے محرکات کیا تھے اور خون حلال ہونے کے بعد اسے حرام کیوں کیا گیا؟ اسی سے وہ یہ بھی جان سکے گا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کیا تھے جن پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلے صادر فرمائے۔"

اجماع واختلاف کا علم

شرائط اجتہاد کے سلسلے میں فقہا اجماعی امور کے علم کو بھی بیان کرتے ہیں اور بعض نے تو اسے فرض تک کہہ دیا ہے لیکن ابن حزم اس سے متفق نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک یہ علم اضافی حیثیت رکھتا ہے اور مفید ہے تاہم فرض ولازم نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"لكن معرفة الاختلاف علم زائد قال سعيد بن جبير أعلم الناس أعلمهم بالاختلاف وصدق سعيد لأنه علم زائد وكذلك معرفة من أين قال كل قائل. "[21]

" اختلاف کی معرفت زائد علم ہے۔ سعید بن جبیر (م ھ) کا قول ہے کہ لوگوں میں سے زیادہ عالم وہ ہے جو اختلاف کو سب سے زیادہ جانتا ہے۔ سعید نے سچ فرمایا کیوں کہ یہ اضافی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی درجہ اس امر کا ہے کہ ہر شخص کے قول کا ماخذ معلوم ہو۔"

---

[17] الحج ۲۲:۳۔

[18] آل عمران ۳:۶۶۔

[19] النور ۲۴:۱۵۔

[20] الإحكام في أصول الأحكام، 5، 126

[21] الاحكام في اصول الاحكام، 5، 128

کیا ہر مجتہد مصیب ہے؟ ابن حزم کا موقف

مباحثِ اجتہاد کے ضمن میں علما کے یہاں یہ قضیہ بھی بحث و مناقشے کا موضوع بنا ہے کہ کیا اجتہاد کرنے والا ہر مجتہد مصیب یعنی درستی کا حامل ہوتا ہے یا ایک مصیب اور ایک مخطی یعنی خطاکار؟

ابن حزم نے اس موقف کو کلی طور پر رد کیا ہے کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، ان کی نظر میں ایک ہی مجتہد درست ہوتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب "اِلاحکام فی اصول الاَحکام" میں اس مسئلے پر ایک مستقل باب میں بحث کی ہے اور ہر مجتہد کو مصیب کہنے والوں کے جملہ دلائل پر نقد کیا ہے۔

طویل بحث کے بعد ابن حزم لکھتے ہیں کہ جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے، ان کے لیے لازم آتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں جنتی بھی ہو اور دوزخی بھی کیوں کہ ایک ہی شخص کے متعلق بعض اوقات اختلاف ہوتا ہے کہ وہ کافر ہے یا مسلمان جیسے تاویل کرنے والے لوگوں کا معاملہ ہے۔ اب اگر ہر مجتہد مصیب ہے تو اسے کافر کہنے والا بھی حق پر ہے اور مسلمان کہنے والا بھی تو گویا وہ شخص جنتی بھی ہوا اور دوزخی بھی۔ یہ بات وہی کہہ سکتا ہے جو وسوس کا شکار ہو کیوں کہ اہل اہوا کی تکفیر اور عدم تکفیر کے متعلق صحابہ اور تابعین ہی کے زمانے سے اختلاف چلا آ رہا ہے۔

اس مبحث کے اختتام پر ابن حزم نے لکھا ہے:

"اس معاملے میں یہی بات کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ تصریح فرمائی ہے کہ اس کا ایک ہی راستا ہے اور دیگر راہیں، اس کی راہ سے جدا ہیں۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی واضح طور پر مجتہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے اجتہادات میں ان کی تغلیط فرمائی ہے جیسا کہ حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت اسید بن حضیر اور حضرت ابو السنابل رضی اللہ عنہم کے متعلق ذکر ملتا ہے۔"[22]

"المحلیٰ" میں لکھتے ہیں:

"وَمَنْ ادَّعَى أَنَّ الْأَقْوَالَ كُلَّهَا حَقٌّ وَأَنَّ كلَّ مُجْتَهِدٍ مُصِيبٌ، فَقَدْ قَالَ قَوْلًا لَمْ يَأْتِ بِهِ قُرْآنٌ وَلَا سُنَّةٌ وَلَا إجْمَاعٌ وَلَا مَعْقُولٌ، وَمَا كَانَ هَكَذَا فَهُوَ بَاطِلٌ، وَيُبْطِلُهُ أَيْضًا قَوْلُ رَسُولِ اللَّهِ - صلی اللہ علیہ وسلم - «إذَا اجْتَهَدَ الْحَاكِمُ فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ» فَنَصَّ - عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ - أَنَّ الْمُجْتَهِدَ قَدْ يُخْطِئُ."[23]

"جس کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام ہی اقوال حق ہیں اور ہر مجتہد مصیب ہوتا ہے تو اس نے ایسی بات کہی ہے جو قرآن و سنت اور اجماع میں ملتی ہے نہ کسی عقلی دلیل سے ثابت ہوتی ہے؛ اور ایسا دعویٰ باطل ہوتا ہے۔ اس دعوے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی باطل کرتا ہے: "جب حاکم اجتہاد کرے اور اس میں خطا کر جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔" آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تصریح فرما دی کہ مجتہد غلطی بھی کر جاتا ہے۔"

اجتہاد کے اقسام بہ اعتبارِ صواب و خطا

مجتہد کا اجتہاد درست ہے یا غلط، اس پہلو سے ابنِ حزم نے اس کی چار صورتیں بیان کی ہیں:

اول، وہ اجتہاد جس پر دوہرا اجر ہے: یعنی انسان حق اور درست نتیجے پر پہنچے اور اس پر عمل پیرا ہو اور اسے معلوم بھی ہو کہ یہ حق ہے۔ اس کو ایک اجر نیت کا اور دوسرا عمل کا ملے گا۔

دوم، وہ اجتہاد جس پر عمل کرنے پر دوہرا گناہ ہو۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو غلط چیز کو اختیار کرتا ہے اور اسے پتا ہوتا ہے کہ یہ امر باطل ہے۔ اسے ایک گناہ غلط نیت اور ارادہ کا اور دوسرا گناہ اس پر عمل کا ہے۔

سوم، وہ اجتہاد ہے کہ انسان کا عمل تو حق ہو لیکن خود اسے باطل سمجھ رہا ہو یا کسی باطل کو ترک کر دے اور خود اسے حق سمجھتا ہو۔ اس پر درست عمل کرنے یا باطل کو ترک کرنے کا گناہ تو نہیں ہو گا تاہم اس کی نیت چوں کہ درست نہیں اس لیے ایک گناہ کا مرتکب ضرور ہو گا۔

---

[22] الاحکام فی اصول الاحکام، 5ر70

[23] أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، المحلیٰ بالآثار، دار الفكر - بيروت، 1ر89

International Journal of Islamic Studies & Culture
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192
(Volume.3, Issue.4 (2023)
(October-December)

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

چہارم، وہ کسی باطل عمل کو حق سمجھ کر اختیار کرے یا کسی حق بات کو باطل گردانتے ہوئے ترک کردے۔ یہ ایک اجر پائے گا کیوں کہ اس کی نیت درست ہے، تاہم عمل میں خطا ہے[24]۔

ابنِ حزم نے دوسرے مقام پر اسی مسئلہ کو ایک اور انداز میں بیان کیا ہے اور مجتہدین کی بنیادی طور پر دو قسمیں قرار دی ہیں:

ایک وہ جو درست نتیجے تک پہنچ جائیں؛ یہ دوہرے اجر کے سزاوار ہیں۔

دوسرے وہ جو صحیح نتیجہ نہ پا سکیں؛ یہ مخطی ہیں۔ پھر مخطی دو قسموں میں منقسم ہیں:

اول، وہ جو معذور اور ایک اجر کا مستحق ہے؛ اس کے اجتہاد نے اسے جس بات تک پہنچایا وہ اسے حق سمجھتا ہے لیکن در حقیقت وہ خطا ہے۔

دوم، وہ جو مخطی بھی ہے اور اثم و گناہ کا مستوجب بھی ہے۔ یہ وہ ہے جس نے جان بوجھ کر اس قول کو اختیار کر لیا جس کی غلطی اس پر واضح تھی یا کسی ایسی بات کا قائل ہوا جس کی صحت و درستی کی کوئی دلیل اس کے پاس موجود نہ تھی [25]۔

عامی پر اجتہاد کی فرضیت

ابن حزم کے تصورِ اجتہاد کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ علما کے لیے اجتہاد کو لازم قرار دیتے ہیں بل کہ عامی پر بھی اجتہاد واجب سمجھتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

"ففرض علی کل أحد طلب مایلزمہ علی حسب مایقدر علیہ من الاجتہاد لنفسہ في تعرف ماالزمہ اللہ تعالی إیاہ۔"[26]

"ہر ایک پر فرض ہے کہ وہ جس قدر ممکن ہو اپنے اجتہاد کے لیے لازمی امور کی طلب و جستجو کرے تاکہ وہ پہچان سکے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کس شے کا پابند کیا ہے؟"

عامی کے اجتہاد کی کیفیت

گویا ابنِ حزم کے نزدیک ہر مسلمان اپنی استطاعت و قدرت کے مطابق اجتہاد کرے گا۔ عامی شخص کے اجتہاد کی کیفیت اور نوعیت کیا ہوگی؟ اس کے متعلق ابنِ حزم کی آرا سے پتہ چلتا ہے کہ وہ علما سے استصواب ہی کو عامی کا اجتہاد قرار دیتے ہیں۔ چناں چہ اس سوال کے جواب میں کہ کسی پیش آمدہ مسئلے کے متعلق عامی کو کیا کرنا چاہیے؟ وہ لکھتے ہیں:

"ہم نے وضاحت کر دی ہے کہ اللہ عز و جل نے تقلید کو حرام قرار دیا ہے اور عامی اور عالم میں کوئی فرق نہیں کیا بل کہ اس کا خطاب ہر شخص کے لیے ہے۔ پس تقلید جس طرح ایک متبحر عالم پر حرام ہے، اسی طرح عامی، گھر میں بیٹھنے والی دوشیزہ اور پہاڑوں میں موجود ایک چرواہے پر بھی حرام ہے۔" [27]

انسان پر جو دینی کام فرض ہیں، ان میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم تلاش کرنے کے لیے اجتہاد ہر عامی شخص پر لازم ہے جیسا کہ وہ عالم پر لازم ہے؛ ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔ پس جو شخص دینی امور میں تقلید کرتا ہے، وہ اللہ عز و جل کی معصیت کا مرتکب اور گنہ گار ہے۔ لیکن اجتہاد کی کیفیت میں عامی اور عالم مختلف ہیں؛ ہر انسان پر اسی قدر اجتہاد لازم ہے، جتنی وہ استطاعت رکھتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اللہ تعالیٰ کسی متنفس پر اس کی قدرت سے بڑھ کر ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا [28]۔

---

[24] الاحکام فی اصول الاحکام، 6، 159

[25] الاحکام فی اصول الاحکام، 8، 138

[26] ایضاً، 5، 121

[27] الاحکام، 5، 125

[28] سورۃ البقرۃ، 2: 286

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

نیز فرمایا: تم اللہ سے ڈرو جتنی تم میں استطاعت ہے [29]۔ گویا اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہماری طاقت کے مطابق ہی ذمہ دار ٹھیرایا ہے اور جو ہماری استطاعت سے باہر ہو، وہ ہم سے ساقط ہے۔ یہ واضح نص ہے کہ ہر شخص پر دینی امور میں اسی قدر بحث و تحقیق لازم ہے، جتنی وہ استطاعت رکھتا ہے؛ پس ہر شخص پر اجتہاد کا اتنا ہی حصہ ہے جتنی اس میں طاقت ہے [30]۔

آگے لکھتے ہیں:

"عامی کا اجتہاد یہ ہے کہ وہ عالم سے دینی معاملات میں سوال کرے اور وہ اسے فتویٰ دے تو وہ اس سے دریافت کرے کہ کیا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح حکم دیا ہے؟ اگر عالم اِثبات میں جواب دے تو اس پر عمل کرے اور اُس پر اس سے زائد تحقیق ضروری نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ عالم کہے کہ نہیں؛ یا کہے کہ یہ میری رائے ہے؛ یا کہے کہ یہ مالک یا ابن قاسم یا ابو حنیفہ یا ابو یوسف یا شافعی یا احمد یا داؤد کا قول ہے؛ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی صحابی یا تابعی کا نام لے؛ یا سائل کو ڈانٹ کر خاموش کرا دے تو سائل کے لیے اس فتویٰ کو قبول کرنا حرام ہے۔ اس پر فرض ہے کہ وہ کسی دوسرے عالم سے مسئلہ دریافت کرے اور جہاں سے بھی ممکن ہو اس کا جواب تلاش کرے کیوں کہ ایک مسلمان جب کسی درپیش مسئلے کے متعلق علماء سے سوال کرتا ہے تو اس کا مطمعِ نظر یہ ہوتا ہے کہ وہ عالم اُسے اس مسئلے میں اللہ تعالیٰ اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے سے باخبر کرے اور بتلائے کہ اس حوالے سے دین اسلام میں کیا چیز واجب ہے۔ اگر سائل کو معلوم ہو کہ وہ عالم اسے کوئی اور ہی بات بتلائے گا تو اس سے دور بھاگنا چاہیے [31]"

اس واضح ہوتا ہے کہ ایک عامی کے اجتہاد سے ابنِ حزم کی کیا رائے مراد ہے۔ یعنی ایسا نہیں ہے کہ ہر شخص پر اجتہاد مطلق کے مرتبے پر فائز ہونا لازم ہو۔ اسی سے شیخ زاہد کوثری (م) کے اس اعتراض کا جواب ہو جاتا ہے کہ اہلِ ظاہر نے تقلید سے متعلق جو نقطۂ نظر اختیار کیا ہے، اس سے دنیاوی مصالح معطل ہو کر رہ جاتے ہیں اور امت کو وہ مشقت برداشت کرنا پڑتی

ہے جو اس کے دائرۂ امکان سے باہر ہے؛ بل کہ امت میں متواتر اور متوارث یہ ہے کہ عالم اپنے علم پر عمل کرے اور عامی علما سے مسئلہ پوچھ لے [32]۔ ابنِ حزم کا بھی یہی موقف ہے کہ عامی عالم سے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دریافت کرے لیکن اس کے علاوہ کسی انسان کی رائے کو تسلیم نہ کرے اور یہی اس کا اجتہاد ہے۔

عامی کے مختلف مدارج

ابنِ حزم نے عامۃ الناس کے مختلف مدارج و مراتب قرار دیے ہیں:

" پہلے درجے میں ہر وہ عاقل و بالغ مسلمان کو پابند بناتے ہیں کہ وہ دین کے بنیادی فرائض مثلاً طہارت، نماز اور کھانے پینے، لباس، ازدواجیات، حرمت جان و مال وغیرہ کے متعلق حلال و حرام کی تعلیم حاصل کرے کہ ان معاملات میں جہل روا نہیں ہے۔ مسلم حکم ران کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرے۔ "۔

اس کے بعد جو مسلمان مال دار اور صاحب نصاب ہے، وہ زکات کے مسائل سیکھے۔ جس پر زکات نہیں، اس کے لیے مسائل زکات کا علم حاصل کرنا بھی فرض نہیں ہے۔

اسی طرح ہر شعبہ زندگی سے متعلق لوگ اس بارے میں شرعی تعلیمات سے واقفیت بہم پہنچائیں؛ مثلاً افواج اور عساکر میں ہیں تو جہاد، غنیمت اور فے کی تقسیم کے متعلقہ احکامِ شریعت سیکھیں؛ ججوں اور قاضیوں کو قضاءات اور حدود کے مسائل سیکھنے چاہییں؛ تاجروں کو خرید و فروخت کے احکام سے باخبر ہونا چاہیے۔ جو لوگ ان شعبوں سے براہِ راست منسلک نہیں ہیں، ان کے لیے یہ احکام سیکھنا ضروری نہیں ہے ۔" [33]

آگے لکھتے ہیں:

---

[29] التغابن، 16:64

[30] الاحکام فی اصول الاحکام، 6ر، 151

[31] ایضاً، 6ر، 152

[32] یہ اعتراض محمد ابو زہرہ نے ابن حزم کی کتاب "النبذ فی اصول الفقہ" پر شیخ کوثری کے حاشیے سے نقل کیا ہے؛ ملاحظہ ہو: ابنِ حزم، حیاتہ وعصرہ: ص 272

[33] الإحکام فی اصول الاَحکام، 5ر، 124

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

"فالناس في ذلک علی مراتب فمن ارتفع فهمه عن فهمهم أعتام المجلوبین من بلاد العجم منذ قریب وعن فهم أعتام العامة فإنه لايجزيه في ذلک مايجزي من ذکرنا لکن يجتهد هذا علی حسب مايطيق في البحث عما نابه من نص الکتاب والسنة ودلا کلهما ومن الإجماع ودلائله ويلزم هذا إذا سأل الفقيه فأفتاه أن يقول له من أين قلت هذا فيتعلم من ذلک مقدار ما انتهت إليه طاقته وبلغه فهمه."[34]

"لوگ اس باب میں مختلف مراتب پر ہیں، جس کا فہم عجمی علاقوں سے آنے والے، اور صاف عربی بولنے سے قاصر لوگوں کے فہم سے زیادہ ہو، یا وہ عام لوگوں کی سمجھ بوجھ سے زیادہ فہم رکھتا ہو، اس کے لیے اتنا ہی کافی نہیں۔

ہے کہ وہ بنیادی علم حاصل کرے بل کہ یہ اپنی استطاعت کے مطابق اجتہاد کرے گا۔ اس کے لیے لازم ہے کہ جب یہ فقیہ سے پیش آمدہ مسائل کے بارے میں کتاب و سنت اور اجماع کے دلائل میں مسئلہ پوچھے اور وہ اسے فتویٰ دے دے تو یہ اس سے استفسار کرے کہ تم نے یہ بات کہاں سے اخذ کی ہے؟ گویا وہ اس کے متعلق اتنا علم حاصل کرے جہاں تک اس کی استطاعت ہو، اور اس کے فہم کی رسائی حاصل ہو سکے۔"

اگر عامی کے سامنے مختلف علما کے فتوے ہوں جو باہم متعارض ہوں تو ابنِ حزم کے مطابق اسے صحیح بات تک پہنچنے کی کوشش جاری رکھنا چاہیے؛ اس صورت میں عامی ایک عالم کے مانند ہو گا جس کے لیے شرعی دلائل کے ظاہری تعارض کی وجہ سے کسی مسئلہ کا حل واضح نہ ہو رہا ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ توقف کرے گا اور طلب و تحقیق جاری رکھے گا، یہاں تک کہ اس کے لیے حق ظاہر ہو جائے، یا پھر اسے اسی حالت میں موت آجائے تو یہ آخرت میں بلند مرتبہ پر فائز ہو گا اور اس کا مواخذہ نہیں ہو گا۔[35]

تقلید کی ممانعت

عامی پر اجتہاد کو ضروری قرار دینے کے ساتھ ساتھ ابن حزم تقلید کی کلیتاً نفی کرتے ہیں؛ ان کے نزدیک تقلید کسی بھی انسان کے لیے جائز نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

وَلَا يَحِلُّ لِأحدٍ أَنْ يُقَلِّدَ أَحَدًا، لَا حَيًّا وَلَا مَيِّتًا، وَعَلَى كُلِّ أَحَدٍ مِنَ الِاجْتِهَادِ حَسَبَ طَاقَتِهِ[36]

"کسی شخص کے لیے جائز نہیں کہ وہ کسی دوسرے کی تقلید کرے، خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ؛ ہر ایک پر اس کی استطاعت کے مطابق اجتہاد فرض ہے۔"

دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"والتقليد حرام وَلَا يحل لأحد ان يَأْخُذ بقول أحد بِلَا برهَان."

"تقلید حرام ہے اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ دلیل کے بغیر دوسرے شخص کی بات قبول کرے۔"[37]

حرمت تقلید کے لیے انھوں نے درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

{اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ}[38]

"لوگو، جو کچھ تمہارے ربّ کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اُس کی پیروی کرو اور اپنے ربّ کو چھوڑ کر دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔"

نیز فرمایا:

{وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا}[39]

---

[34] الاحکام فی اصول الاحکام ۵/۱۲۴۔

[35] ایضاً، 6، 161

[36] المحلی، 1، 85

[37] أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، النبذة الكافية في أحكام اصول الدين، دار الكتب العلمية – بيروت ۱۴۰۵ھ، ص 71۔

[38] الاعراف، 3:7

[39] البقرۃ، 170:2

"ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ نے جو احکام نازل کیے ہیں اُن کی پیروی کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔"

تقلید نہ کرنے والوں کی تعریف میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

{وَ الَّذِیۡنَ اجۡتَنَبُوا الطَّاغُوۡتَ اَنۡ یَّعۡبُدُوۡهَا وَ اَنَابُوۡۤا اِلَی اللّٰهِ لَهُمُ الۡبُشۡرٰی 1 فَبَشِّرۡ عِبَادِ الَّذِیۡنَ یَسۡتَمِعُوۡنَ الۡقَوۡلَ فَیَتَّبِعُوۡنَ اَحۡسَنَهٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِکَ هُمۡ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ} [40]

"بخلاف اس کے جن لوگوں نے طاغوت کی بندگی سے اجتناب کیا اور اللہ کی طرف رُجوع کر لیا اُن کے لیے خوشخبری ہے۔ پس (اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) بشارت دے دو میرے اُن بندوں کو جو بات کو غور سے سُنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں۔"

اللہ عزوجل نے اختلاف و تنازع کی صورت میں صرف قرآن مجید اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کا حکم دیا ہے۔ چناں چہ فرمایا:

{فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ} [41]

"پھر اگر تمہارے درمیان کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔"

ابن حزم کے بقول تقلید کی حرمت پر صحابہ اور تابعین کا اجماع ہے؛ نیز ائمہ اربعہ نے بھی اپنی تقلید سے منع کیا ہے۔ اگر تقلید جائز ہوتی تو ائمہ کے بجائے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تقلید کی جاتی جن میں عمر، علی، ابن عباس اور ام المومنین عائشہ ایسے عظیم لوگ تھے۔[42] وہ کہتے ہیں کہ تقلید کی ممانعت عالم اور عامی سب کے لیے ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے عامی یا عالم کی تفریق نہیں فرمائی اور اللہ تعالیٰ بھولنے والا نہیں ہے اس لیے ہر ایک کو اپنی وسعت کے مطابق اجتہاد کرنا چاہیے۔[43]

ابن حزم نے لکھا ہے کہ اجتہاد میں غلطی کرنے والا مقلد سے زیادہ اجر کا مستحق اور افضل ہے خواہ مقلد درست موقف کا حامل ہی کیوں نہ ہو کہ مقلد خدا کا نافرمان ہے[44]۔ تقلید کے وجوب یا جواز کے لیے جو دلائل پیش کیے جاتے ہیں، ابن حزم نے ان سب پر مفصل نقد کیا ہے اور تقلید کی نفی میں سلف کے اقوال سے استشہاد کیا ہے[45]

مجتہدین کے اقسام

فقہا کے یہاں مجتہدین کے مختلف اقسام ہیں؛ مثلاً مجتہد مطلق، مجتہد مذہب، مجتہد ترجیح، مجتہد تخریج، مجتہد فتاوی وغیرہ۔ اس ضمن میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ کیا اجتہاد، قابل تقسیم شے ہے یا نہیں؟ یعنی کیا ایک شخص تمام مسائل کے بجائے بعض مسائل میں اجتہاد کا مجاز ہو سکتا ہے یا نہیں؟ ابن حزم کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک بھی مسئلے کا علم رکھتا ہے تو وہ اس کے متعلق اجتہاد و فتویٰ کا حق رکھتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"وكل من علم مسألة واحدة من دينه على الرتبة التي ذكرنا أجازله أن يفتي بها وليس جهله بما جهل بمانع من أن يفتي بما علم ولا علمه بما علم بمبيح له أن يفتي فيما جهل وليس أحد بعد النبي صلى اللّٰہ عليه وسلم إلا وقد غاب عنه من العلم كثير هو موجود عند غيره فلو لم يفت إلا من أحاط بجميع العلم لما حل لأحد من الناس بعد رسول اللّٰہ صلى اللّٰہ عليه وسلم أن يفتي أصلا وهذا لا يقوله مسلم وهو إبطال للدين وكفر من قائله."[46]

---

[40] الزمر، 39: 17، 18

[41] النساء، 4: 59

[42] النبذۃ الکافیۃ، ص 72

[43] ایضاً، ص 72

[44] الإحکام فی اصول الأحکام، 6/ 165

[45] ملاحظہ ہو: الإحکام فی اصول الأحکام 6/ 59 اس کے علاوہ ابن حزم کے رسالے "ملخص إبطال القیاس والرأی والاستحسان والتقلید والتعلیل" میں بھی تقلید کی حرمت پر بحث موجود ہے۔

[46] الإحکام فی اصول الأحکام، 5/ 128

International Journal of Islamic Studies & Culture
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192
(Volume.3, Issue.4 (2023)
(October-December)

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

"ہر وہ شخص جو ایک بھی دینی مسئلے کا اس درجہ علم رکھتا ہے جو ہم نے بیان کیا تو اس کے لیے جائز ہے کہ وہ اس کے بارے میں فتویٰ دے۔ اس کا بعض مسائل سے لا علم ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی ایسا نہیں ہے جس سے بہت سا علم مخفی نہ رہ گیا ہو جب کہ دوسرے کے پاس وہ موجود ہوتا ہے۔ اگر فتوے کے لیے تمام علم کا احاطہ ہونے کی شرط لگا دی جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی شخص کو فتویٰ دینے کا استحقاق ہی نہ ہوتا اور یہ بات کوئی مسلمان نہیں کہہ سکتا کہ یہ دین کو باطل کرنے کے مرادف اور قائل کے کفر کی دلیل ہے۔"

بہر حال اجتہاد اور مجتہد کے مدارج کے متعلق ابن حزم نے اگرچہ اس طرح تصریح نہیں کی جیسے دیگر فقہا نے باقاعدہ تقسیم کی ہے تاہم ان کی آرا کی روشنی میں مجتہد کی دو قسمیں قرار دی جاسکتی ہیں:

ایک، وہ مجتہد جو پورے دین میں تفقہ حاصل کرتا ہے اور اس کے متعلق تمام علوم سے آراستہ ہے۔ اسے دیگر فقہا مجتہد مطلق کہتے ہیں۔

دوسرا، وہ جو بعض یا کسی ایک ہی مسئلے کا علم رکھتا ہے۔ اسے مجتہد مسئلہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اس آرٹیکل میں ابن حزم کے تصور اجتہاد کا مطالعاتی جائزہ پیش کیا گیا ہے، اس کے ضمن میں اجتہاد کی لغوی، اور اصطلاحی تعریف، دونوں میں فرق، مجتہد کے اوصاف مثلا قرآن وحدیث کا عالم ہو، ناسخ ومنسوخ کی معرفت رکھتا ہو، عربی لغت ونحو کا علم رکھتا ہو، علم سیر سے اگاہی حاصل ہو، اجماع اور اختلاف کا علم، اسی ضمن میں ہر مجتہد مصیب ہے یا نہیں اس بابت ابن حزم کا نقطہ نظر بھی پیش کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اجتہاد کی چار اقسام باعتبار صواب وخطاء، عامی پر اجتہاد کی فرضیت اور کیفیت، عامی کے مختلف مدارج بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ضمنا تقلید کی ممانعت کی وضاحت بھی کی گئی اور آخر میں مجتہدین کی دو اقسام ابن حزم کے نقطہ نظر سے بیان کی گئی ہیں۔

چناچنانچہ ابن حزم کے تصور اجتہاد کے مطالعاتی جائزہ سے چند اہم امور سامنے آتے ہیں:

اجتہاد، قیاس وراے کا نام نہیں بل کہ کتاب وسنت سے کسی مسئلے کا حکم معلوم کرنے کے لیے اپنی تمام تر صلاحیت کھپا دینے سے عبارت ہے۔

حکم شرعی صرف اور صرف قرآن مجید اور حدیث نبوی ہی سے معلوم ہو سکتا ہے۔

کامل مجتہد اور فقیہ کے لیے قرآن وسنت کا علم، ناسخ ومنسوخ کی معرفت، عربی زبان وادب کا علم اور علم سیر سے آگاہی فرض ہے۔ اجماع واختلاف اور علما کے اقوال کا ماخذ معلوم ہو تو یہ بھی مفید ہے، تاہم ناگزیر نہیں ہے۔

ہر مجتہد صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا بل کہ بعض مصیب ہوتے ہیں، اور بعض مخطی۔

اجتہاد عالم پر ہی نہیں بل کہ عامی پر بھی فرض ہے۔

کسی بھی مسلمان کے لیے تقلید کی کوئی گنجایش نہیں ہے؛ تقلید کی حرمت کتاب وسنت، اجماع صحابہ سے ثابت ہے۔

اجتہاد قابل تقسیم شے ہے اور ایک ہی مسئلے میں بھی اجتہاد روا ہے، بہ شرطے کہ اس کا علم ہو۔

مجتہدین کے دو اقسام ہیں: ایک وہ جو تمام مسائل میں اجتہاد کے مجاز ہیں، اور دوسرے وہ حضرات جو بعض یا چند مسائل میں اس کی اہلیت سے رکھتے ہیں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ابن حزم کا تصور اجتہاد جمہور کے تصور اجتہاد سے مختلف ہے، امام ابن حزم کتاب وسنت کی نصوص کے ظاہری الفاظ کی بنیاد پر استنباط احکام کے قائل ہیں، وہ علل وحکمتوں کی تلاش وجستجو کے قائل نہیں ہیں۔ جبکہ جدید ومعروضی مسائل کے حل کے لیے منصوص مسائل کی علت وحکمت کی تلاش وتعین انتہائی ضروری ہے، اس کے بغیر پیش آمدہ جدید مسائل کے احکام معلوم نہیں ہو سکتے، نصوص کے ظواہر سے استدلال وتمسک کرنا گویا عقل وفکر کے دروازے بند کرنے کے مترادف ہے۔ ان کے بعض تفردات اور جمہور فقہاء کی روش سے انحراف کے باوجود ان کے دیگر مثبت کاموں کی تعریف بھی کی گئی ہے۔

مصادر ومراجع

☆ أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، الإحكام في أصول الأحكام، دار الآفاق الجديدة، بيروت۔

☆ شمس الدين أبو عبد الله محمد بن أحمد بن عثمان بن قَايْماز الذهبي، تذكرة الحفاظ، دار الكتب العلمية بيروت-لبنان، 1419ھ

☆ محمد بن اسماعیل البخاری، صحيح البخاري، دار طوق النجاة، ۱۴۲۲ھ

☆ أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، المحلى بالآثار، دار الفكر - بيروت،

International Journal of Islamic Studies & Culture
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192
(Volume.3, Issue.4 (2023)
(October-December)

ISSN- 2709-3905
PISSN2709-3891

☆ أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، النبذة الكافية في أحكام اصول الدين، دار الكتب العلمية — بيروت ١٤٠٥ھ
☆ الاتجاهات الفقهية عند أصحاب الحديث في القرن الثالث الهجري۔
☆ أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري الفصل في الملل، مكتبة الخانجي — القاهرة۔
☆ أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري رسائل ابن حزم، المؤسسة العربية للدراسات والنشر۔
☆ أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري، الصادع، المؤسسة العربية للدراسات والنشر۔
☆ أبو محمد علي بن أحمد بن سعيد بن حزم الأندلسي القرطبي الظاهري ملخص ابطال القياس والرای، المؤسسة العربية للدراسات والنشر